پروفیسر رحیم بخش شاہین

قائدِ اعظم کا تصوّرِ قومیت

عہدِ حاضر میں مسلمانوں کو ان کی منزلِ مقصود سے آگاہ کرنے اور مسلمانوں کو رنگ و نسل کے امتیازات سے بالاتر ہو کر اسلامی تصوّرِ قومیت اپنانے کی طرف جن ہستیوں نے دعوت دی، ان میں سید جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کے علاوہ علامہ اقبال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ انہی بزرگوں کی کوششوں سے عالمِ اسلام کی حریت پسند قوتیں آمادۂ عمل ہوئیں اور بالآخر عروسِ آزادی سے ہمکنار ہوئیں۔

برِصغیر پاک و ہند میں اتحادِ اسلامی کے اسی تصوّر نے مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کا روپ دھارا، جسے بعد ازاں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے عملی جامہ پہنایا۔ مسلمانوں کی جداگانہ، آزاد اور خودمختار مملکت کا قیام برِصغیر اور عالمِ اسلام کے مسلمانوں اور اسلام کے بہی خواہوں کے لیے سرمایۂ مسرت و شادمانی ثابت ہوا۔

قائدِ اعظم نے جتنی اہمیت پاکستان کی اقتصادی صورتِ حال کی بہتری اور دفاعی استحکام کو دی، اس سے زیادہ اہمیت اہلِ پاکستان کو دشمن کی چالوں سے آگاہ کرنے اور ان میں تحریکِ پاکستان کی روح تروتازہ رکھنے پر دی۔ وہ جہاں بھی گئے اہلِ پاکستان کو اسلام کے تصوّرِ قومیت سے منسلک اور مربوط رہنے کی ہدایت کی۔

آپ نے واضح کر دیا کہ تعمیرِ پاکستان کا صرف ایک ہی راستہ ہے، اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر قوم کی تنظیم اور صوبائی تعصّبات سے نجات۔ اس سے ہٹ کر جو بھی راستہ اختیار کیا جائے گا پاکستان کو تباہی سے دوچار کرنے کا باعث ہوگا۔ آپ کا ارشاد ہے:

"اسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ خواہ کہیں بھی ہوں بہرحال مسلمان ہیں، اب آپ سب ایک قوم سے متعلق ہیں۔ آپ نے ایک بہت وسیع علاقہ اپنے لیے حاصل کر لیا ہے۔ یہ سب آپ کا ہے، اس کا مالک کوئی پنجابی، یا کوئی سندھی یا کوئی بنگالی نہیں ہے

آپ کی مرکزی حکومت قائم ہو گئی ہے جہاں مختلف حصوں کو نمائندگی حاصل ہے، اس لیے اگر آپ اپنے آپ کی بحیثیتِ قوم تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو برائے خدا صوبہ پرستی کو چھوڑ دیجیے۔"

اپنے اس خطاب میں قائدِ اعظم نے اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی کہ پاکستانی قومیت کے مقابلے میں بنگالی، پنجابی، سندھی وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات کرنا تحریکِ پاکستان کی روح کے خلاف ہی نہیں، تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے۔ برِ صغیر کی موجودہ آبادی کا اکثر و بیشتر حصہ سرحد پار شمال مغرب کی راہ سے آنے والے حملہ آور گروہوں کی نسلوں پر مشتمل ہے جن کی یلغار کے سامنے مقامی آبادی نہ ٹھہر سکی اور دشوار گزار جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی۔ اب ہندوستان کے اصلی باشندوں گونڈ اور بھیل وغیرہ کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اس لیے ہر وہ شخص جو خود کو بنگالی، سندھی یا پنجابی کہتا ہے، ضروری نہیں کہ اس ملک کے قدیم ترین باشندوں کی نسل سے ہو۔ لہٰذا اس کا یہ دعویٰ اور مقامی و غیر مقامی کے اختلاف کی ترویج صریحاً غلط ہے۔ فرمایا:

"میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ میں مانتا ہوں کہ یہ اپنی اپنی جگہ اکائیاں ہیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ وہ سبق بھول گئے ہیں جو تیرہ سو سال پیشتر آپ کو دیا گیا تھا؟ اگر مجھے اجازت دی جائے تو کہوں گا کہ یہاں آپ سب باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں بنگال کے اصلی باشندے کون تھے؟ وہ ہرگز نہیں، جو آج کل بنگال میں رہتے ہیں۔ پس یہ کہنے کا آخر کیا فائدہ ہے کہ ہم پنجابی ہیں، ہم سندھی ہیں، ہم پٹھان ہیں۔ نہیں ہم مسلمان ہیں۔"

۱۹۴۸ء میں جب قائدِ اعظم کوئٹہ تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے ۱۵ رجون کو میونسپل کمیٹی کی طرف سے دیے گئے استقبالیے میں پاکستانی قومیت کے فروغ پر زور دیتے ہوئے کہا:

"اب ہم سب پاکستانی ہیں۔ نہ بلوچی، نہ پٹھان، نہ سندھی، نہ بنگالی، نہ پنجابی۔ ہمیں پاکستانی اور صرف پاکستانی کہلوانے پر فخر ہونا چاہیے۔ ہم جو کچھ محسوس کریں، جو کچھ عمل کریں، جو قدم بھی اٹھائیں، پاکستانی اور فقط پاکستانی کی حیثیت سے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب بھی آپ کوئی نیا قدم اٹھائیں تو پہلے رُک کر ذرا سوچ لیجیے کہ یہ آپ کی ذاتی یا مقامی پسند و ناپسند کے زیرِ اثر ہے یا پاکستان کی فلاح و بہبود

کا خیال دوسری سب باتوں پر غالب ہے۔"

آپ کا نظریہ تھا کہ پاکستانی قومیت کے فروغ کے بغیر پاکستان نہ تو قائم رہ سکتا ہے نہ مستحکم ہو سکتا ہے اور نہ معاشی و اقتصادی اعتبار سے ترقی کر سکتا ہے۔ ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میری خواہش ہے کہ مسلمان صوبائی تعصب کی بیماری سے چھٹکارا حاصل کریں۔ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ ایک صف میں متحد ہو کر آگے نہ بڑھیں۔ ہم سب پاکستان کے شہری ہیں، پاکستان میں زندگی بسر کرتے ہیں، اس لیے ہمیں بھی اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔ ہمیں اس کی خدمت کرنی چاہیے، اس کے لیے قربانیاں دینی چاہئیں، اور اگر یہ مانگے تو اپنی جان بھی قربان کر دینی چاہیے۔ تاکہ یہ دنیا بھر کی ایک شاندار، عظیم اور خوشحال مملکت بن جائے۔"

۱۵ جون ۱۹۴۸ کو کوئٹہ کے شہریوں کے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے آپ نے پاکستان کے بنیادی تصور کے منافی رویے سے اجتناب برتنے کی پُرزور اپیل کی۔

"یہ ملکی اور غیر ملکی کی باتیں نہ ملک کے لیے مفید ہیں، نہ آپ کے شایانِ شان ہیں۔ اب ہم سب پاکستانی ہیں۔ ہم نہ بلوچی ہیں، نہ پٹھان ہیں، نہ سندھی ہیں، نہ بنگالی ہیں اور نہ پنجابی۔ ہمارے احساسات اور طرزِ عمل بھی پاکستانیوں جیسے ہونے چاہئیں اور ہمیں چاہیے کہ بجائے کسی اور نام کے صرف "پاکستانی" کہلائے جانے پر فخر محسوس کریں۔"

۱۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا۔

"آپ کو اپنے صوبے کی محبت اور اپنی مملکت کی محبت کے درمیان امتیاز کرنا سیکھنا چاہیے۔ مملکت کی محبت بلکہ مملکت کی طرف سے عائد کردہ فرض ہمیں ایک ایسی سطح پر لے جاتا ہے جو صوبائی محبت سے بالاتر اور ماوراء ہے۔ اس سطح پر آنے کے لیے وسیع تر بصیرت اور بلند تر حب الوطنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مملکت کا فرض اکثر تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے ذاتی یا انتظامی یا صوبائی مفادات کو مفادِ عامہ کے تابع کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔ مملکت کا فرض پہلے ہے اور اپنے صوبے، اپنے ضلعے، اپنے قصبے اور اپنے گاؤں کا فرض بعد میں آتا ہے۔ یاد رکھیے، ہم ایک ایسی مملکت تعمیر کر رہے ہیں جو پوری اسلامی دنیا کی تقدیر بدل دینے میں اہم ترین کردار ادا کرنے والی ہے، اس لیے ہمیں وسیع تر اور بلند تر

بصیرت کی ضرورت ہے، ایسی بصیرت جو صوبائیت، قوم پرستی اور نسل پرستی کی حدود سے ماوریٰ ہو۔"

اسی سے ملتی جلتی بات آپ نے ۱۵ جون ۱۹۴۸ کو کوئٹہ میونسپل کمیٹی کے استقبالیے میں کہی:

"ہر شخص کو اپنے گاؤں اور قصبے اور شہر سے محبت ہونی چاہیے اور اس کی بہبود اور ترقی کے لیے محنت کرنی چاہیے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے ملک سے اپنے قصبے یا شہر کی نسبت زیادہ محبت ہونی چاہیے اور ملک کی خاطر نسبتاً زیادہ لگن اور شدت سے محنت کرنی چاہیے۔ ذاتی اور مقامی نوعیت کی وابستگیاں یقیناً قدر و قیمت کی حامل ہوتی ہیں، لیکن جزو کی قدر و قیمت ہی کیا جب تک وہ کُل کے اندر نہ ہو۔ اس کے باوجود یہ ایک سنگین اور ٹھوس حقیقت ہے کہ لوگ قومی مفادات کو آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان ہر مقامی، فرقہ وارانہ یا صوبائی مفادات کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ جب میں پاکستانیوں کے کسی گروہ کو یا جماعت کو صوبائی عصبیت کی لعنت میں لپٹا ہوا دیکھتا ہوں تو مجھے قدرتی طور پر دکھ ہوتا ہے، پاکستان کو اس لعنت سے جلد از جلد نجات حاصل کر لینی چاہیے۔"

اس تقریر میں آپ نے بتایا کہ صوبائی خود مختاری وغیرہ کے نعرے تو انگریزی حکومت سے نجات حاصل کرنے کے لیے لگائے جاتے تھے۔ اب جب کہ ہمیں اس سے نجات مل چکی ہے اور ہماری اپنی حکومت ہے تو اس قسم کے خیالات سخت نقصان دہ ہیں۔ فرمایا:

"یہ اس پرانے نظم و نسق کی باقی ماندہ نشانی ہے، جب آپ حاکمانہ کنٹرول یعنی برطانوی تسلط سے تحفظ حاصل کرنے کے لیے صوبائی خود مختاری اور مقامی آزادیٔ عمل کے کمزور اور عارضی ستونوں سے چمٹا کرتے تھے لیکن اب آپ کی اپنی مرکزی حکومت ہے۔ با اختیار مرکزی حکومت۔ اب انہی اصطلاحوں میں سوچتے رہنا اور انہی کمزور سہاروں سے چمٹے رہنا بہت بڑی غلطی ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ آپ کی بالکل نئی اور نوزائیدہ مملکت زبردست اور بے شمار اندرونی و بیرونی مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ ایسے ہنگامی موقع پر مملکت کے وسیع تر مفاد کو صوبائی یا مقامی یا ذاتی مفاد کے تابع کرنے کا ایک ہی مطلب ہے — خودکشی۔"

یہ وہی زمانہ تھا جب مشرقی پاکستان میں ملک دشمن عناصر نے ناظم الدین وزارت کو پریشان کرنے کے لیے زبان کا مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔ مشرقی پاکستان کے چند طالع آزما سیاست دانوں

نے طلبہ کے ذریعے اس مسئلے کو مزید الجھانے کی کوشش کی اور بیرونِ ملک کلکتہ کے ایک مضبوط ہندو پریس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ حالانکہ تحریکِ پاکستان کے دوران میں اردو کے بارے میں عام طور پر یہی تاثر تھا کہ یہ پاکستان کی قومی زبان ہوگی کیونکہ یہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اظہارِ خیال کا ذریعہ اور ان کے اتحاد کا وسیلہ تھی، نیز ایک ترقی یافتہ زبان ہونے کی بنا پر بھی اس لائق تھی۔ کسی صوبے کے مسلمانوں نے اردو کو اپنی علاقائی یا صوبائی زبان کا رقیب خیال نہیں کیا اور اس کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی لیکن مشرقی پاکستان میں ہندوستان کے ایجنٹوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ بنگالی زبان ختم کی جا رہی ہے اور اس کی جگہ اردو زبان لاگو کی جا رہی ہے۔ قائدِ اعظم کو جب اس خطرناک صورتِ حال کا علم ہوا تو خرابیِ صحت کے باوجود مارچ ۱۹۴۸ میں مشرقی پاکستان کے دورے پر گئے اور ۲۴ مارچ کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیمِ اسناد سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"کیا یہ بات پُرمعنی نہیں کہ ماضی میں جن لوگوں نے غداری کی یا پاکستان کے خلاف جنگ لڑی جبکہ پاکستان محض آپ کے بنیادی حق خود ارادیت کا مظہر ہے تو اب وہی لوگ یکایک آپ کے "جائز حقوق" کے محافظ بن بیٹھے ہیں اور آپ کو زبان کے معاملے میں حکومتِ پاکستان کی مخالفت پر اکساتے ہیں۔ میں آپ کو انتباہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ دشمن کے ان آلہ کاروں سے خبردار رہیں۔ میں آپ کے سامنے پاکستان کی سرکاری زبان کے بارے میں اپنے نظریات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس صوبے میں سرکاری ضروریات کے لیے لوگ جو زبان چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اس سوال کا فیصلہ صرف اس صوبے کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق کیا جائے گا، جو مناسب وقت پر ان کے نمائندے پوری آزادی سے کامل اور بےلاگ غور و خوض کے بعد ظاہر کریں گے۔ لیکن باہمی اظہارِ خیالات یعنی مملکت کے مختلف صوبوں میں باہمی رابطے کے لیے صرف ایک ہی زبان ہو سکتی ہے۔ اس لیے واضح ہے کہ سرکاری زبان اردو ہی ہونی چاہیے۔ یہ وہ زبان ہے جو پاکستان کے طول و عرض میں سمجھی جاتی ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس کی نشو و نما میں برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں نے حصہ لیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ صرف یہی زبان ہے جو دوسری ہر زبان کے مقابلے میں اسلامی ثقافت اور مسلمانوں کی روایات کے بہترین سرمائے کی مظہر ہے۔ یہ زبان دوسرے مسلم ممالک کی زبانوں سے بھی قریب ترین ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اردو کو ہندوستان سے نکال دیا گیا ہے اور

سرکاری طور پر اردو رسم الخط کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔"

قائدِ اعظم کو صوبہ پرستی اور لسانی نزاع کے فتنوں کی شدت کا اس قدر احساس تھا کہ ۲۸ مارچ کو مشرقی پاکستان کے لوگوں کے نام اپنے الوداعی پیغام میں بھی اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے پیش گوئی کی کہ اگر ان فتنوں سے نجات حاصل نہ کی گئی تو پاکستان پارہ پارہ ہو جائے گا:

"زبان کا نزاع درحقیقت ایک اور بہت بڑے مسئلہ کا پہلو ہے اور وہ مسئلہ صوبہ پرستی ہے مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس بات کا لازماً احساس ہوگا کہ پاکستان جیسی نوتشکیل مملکت میں جس کے مزید برآں دو حصے ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہیں اس کے تمام شہریوں میں خواہ ان کا تعلق کسی حصہ سے ہو ہم آہنگی اور اتحاد نہ صرف اس کی ترقی بلکہ اس کی بقا کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ پاکستان مسلم قوم کے اتحاد کا مجسم مظاہرہ ہے اور ہمیشہ اس کی یہی کیفیت ہونی چاہیے۔ سچے مسلمانوں کی طرح ہمیں اس اتحاد کی حمیت کے ساتھ حفاظت کرنی چاہیے اور اسے برقرار رکھنا چاہیے۔"

آپ نے نہ صرف اس اتحاد کی نتیجہ خیزی اور افادیت واضح کی بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ اس اتحاد کو تباہ ہونے دیا گیا تو پھر پاکستان کی زندگی اور بقا بھی معرضِ خطر میں پڑ جائے گی۔

"اگر ہم خود کو بنگالی، پنجابی اور سندھی وغیرہ پہلے اور مسلمان اور پاکستانی بعد میں سمجھنے لگیں گے تو پھر پاکستان لازماً پارہ پارہ ہو جائے گا۔"

اور پاکستان کے اتحاد کے خاتمہ کے لیے کون لوگ مصروفِ کار ہیں۔ قائدِ اعظم نے اہلِ فکر کے لیے اسی پیغام میں ان کی نشان دہی یوں فرمائی:

"اسے کوئی معمولی بات قرار دے کر ٹالیے نہیں، اس کی شدتوں اور امکانوں سے ہمارے دشمن بخوبی آگاہ ہیں اور میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ پہلے ہی اس سے غلط فائدہ اٹھانے میں مصروف ہیں۔ میں آپ سے صاف صاف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب بھارت کی سیاسی ایجنسیاں اور وہاں کے اخبارات جنھوں نے پاکستان کو عالمِ وجود میں آنے سے روکنے کے لیے آسمان سر پہ اٹھا رکھا تھا، اب اچانک مسلمانوں کے "دوست" بن کر یہ کہتے ہیں کہ آپ کے مطالبات جائز ہیں تو کیا آپ کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کسی خوف ناک شرارت اور سازش ہے جو آپ کے خلاف کی جا رہی ہے، کیا یہ امر اپنی جگہ بالکل واضح نہیں ہے کہ بھارت کی سیاسی ایجنسیاں مسلمانوں کو پاکستان حاصل کرنے سے نہ روک سکیں تو اب

یہ پاکستان کا شیرازہ اپنے دوسرے ہتھکنڈوں اور پُرفریب پروپگنڈے سے بکھیرنے پر تلی ہوئی ہیں اور اس کے لیے انھوں نے وہی پُرانا طریقہ اختیار کیا ہے جو مسلمانوں کے دوسرے دشمن اختیار کرتے رہے ہیں یعنی انھوں نے ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی کے خلاف اکسانا شروع کر دیا ہے۔ میں آپ کو صوبائی عصبیت کے اس زہر سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے دشمن ہماری مملکت میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔"

عقلیاتِ ابنِ تیمیہ

مولانا محمد حنیف ندوی

غزالیؒ کے بعد علامہ ابنِ تیمیہؒ دوسرے شخص ہیں جنھوں نے اسلام کے نظامِ حیات کا اس وقتِ نظر سے جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ تفسیر، حدیث، تصوّف اور فقہ و اصول کی تشریح میں ہمیں کن پیمانوں سے کام لینا چاہیے۔

علامہ کی پوری زندگی الحاد و زندقہ کے خلاف، جہاد میں بسر ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے جس کامیابی و ہنرمندی کے ساتھ کتاب و سنت کے رُخِ زیبا کو نکھارا ہے، بدعات کی پُرزور تردید کی ہے اور اسلام کے چہرۂ روشن سے یونانیت اور عجمیت کے دبیز نقابوں کو ہٹایا ہے یہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے کے "عقلیات" کو بہ کمال ژرف نگاہی کھنگالا ہے اور تنقید و احتساب کے بعد ثابت کیا ہے کہ ان کے مقابلے میں اسلام کا عقلی موقف کہیں زیادہ صحیح، استوار اور متوازن ہے —— اس کتاب کا موضوع ان کی یہی گراں قدر تنقیدات ہیں۔

صفحات: ۳۵۹ قیمت: ۱۱/ روپے اخباری کاغذ: ۷/ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور